مولانا مطیع اللہ حقانی *

ایک اسلامی ریاست کی ذمہ داریاں

پاکستان کو وجود میں آئے ہوئے نصف صدی سے زائد کا عرصہ بیت چکا ہے۔ نصف صدی کا عرصہ کچھ مختصر نہیں ہوتا۔ کیونکہ اتنی مدت میں ایک بچہ بچپن کے مراحل طے کرتا ہے جوانی کی بہار سے گزرتا ہے اور بڑھاپے کی منزل میں داخل ہوتا ہے۔ اسی طرح اقوام کی تاریخ میں نصف صدی کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے اسی وجہ سے تو حفیظ جالندھری کہتے ہیں۔ ع

یہ نصف صدی کا قصہ ہے دو چار برس کی بات نہیں

یہ ملک کسی نے طشتری میں رکھ کر ہمیں بطور تحفہ نہیں دیا تھا' نہ انگریز سامراج نے ترنگ میں آکر ہمیں آزاد کیا تھا اس ملک کی آزادی کے لئے بے شمار مسلمانوں نے خون کا نذرانہ پیش کیا۔ سینکڑوں ماؤں اور بہنوں کی عصمتیں لٹ گئیں' ہزاروں نوجوان عورتوں کا سہاگ لٹ گیا' لیکن یہ ہماری بدقسمتی تھی کہ آزادی کے بعد ملک کو ایسی مخلص قیادت میسر نہیں آئی جس نے اس ملک کو صحیح معنوں میں ایک اسلامی ریاست بنانے کی کوشش کی ہو یا اس ملک کے عوام کی ترقی اور خوشحالی کے بارے میں سوچا ہو اگر ہم اپنے ماضی پر نظر ڈالیں تو ہمارا ماضی "یاد ماضی عذاب ہے یارب" کا پورا مصداق ہے۔ اگر ہم دیانتدارانہ اپنے ماضی کا محاسبہ کریں تو ہماری تمام تاریخ سازشوں' بدعنوانیوں' اور کرپشن سے پر ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ان پچاس سالوں میں ہم نے کھویا بہت کچھ ہے اور پایا کچھ بھی نہیں۔ ہماری تاریخ کا سب سے سیاہ ورق تو سقوط ڈھاکہ کا المیہ ہے جسکے نتیجے میں ہم اپنے ملک کے نصف حصے سے محروم ہوگئے۔ اس سانحہ کے سب سے بڑے ذمہ دار اس وقت کے حکمران تھے جن کے دن رات شراب و کباب میں اور طوائفوں کے ساتھ راز و نیاز میں گزر جاتے۔ ان کو اپنی عیاشیوں سے اتنی فرصت نہیں تھی کہ وہ فوجی قیادت کے ساتھ بھی کچھ رابطہ قائم کرتے اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ جب قومیں روبہ انحطاط ہوتی ہیں تو سب سے پہلے ان کے اخلاق متاثر ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں جن سابقہ اقوام اور ان کے عبرتناک نتائج کا ذکر ہے وہ اخلاقی بے راہروی کی وجہ سے اپنے منطقی انجام کو پہنچیں الشمس اور البدر کے

---

* چیئرمین شعبہ اسلامیات' گورنمنٹ کالج پشاور

ہزاروں نوجوان شہید ہو گئے ایک لاکھ فوج کو ہزیمت اٹھانی پڑی مسلمانوں کی تاریخ میں ایک سیاہ باب رقم ہو گیا۔ مگر اس سانحے کے جو اصل کردار تھے ابھی تک ان کو بے نقاب نہیں کیا گیا اس واقعہ کی تحقیقات کے لئے کمیشن بٹھایا گیا مگر جہاں تک راقم کو علم ہے ابھی تک اس کمیشن کی رپورٹ منظر عام پر نہیں آئی۔ یہ ہمارے ملک کا ایک عجیب دستور ہے کہ ارباب اقتدار جس مسئلے کو ختم کرنا چاہتے ہیں اس کے لئے کمیشن بنا لیتے ہیں ان کی سوچ بھی ٹھیک ہے اگر چور اور غدار ایک ہو تو اسکو سکرین پر لایا جائے گا۔ لیکن جب ہر طرف چور ہی چور ہوں تو پھر کس کس کو منظر عام پر لایا جائے گا؟ مصطفیٰ زیدی نے ٹھیک کہا ہے۔ ؎

میں کس کے ہاتھ پر اپنا لہو تلاش کروں
تمام شہر نے پہنے ہوئے ہیں دستانے

آزادی ملنے کے بعد عوام اور محنت کش طبقات کو اقتدار سے دور رکھا گیا اور بڑے بڑے وڈیرے اور سرمایہ دار اقتدار پر قابض ہو گئے چونکہ اس طبقے کو ملک و قوم سے زیادہ اپنے مفادات عزیز تھے اس لئے برسر اقتدار آکر انہوں نے نوآبادیاتی نظام اور اس کے اداروں کو باقی رکھ کر ان کے ذریعے عوام کا استحصال شروع کر دیا جب بھی عوام نے اپنے حقوق کے لئے آواز بلند کی ان کو ریاستی جبر و تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔

یہ کتنے تعجب کی بات ہے کہ ۱۹۵۶ء تک یہ ملک بغیر آئین کے چلتا رہا۔ آئین تو تب بنتا جب ملک کے برسر اقتدار طبقہ کو اس طرف فرصت ملتی۔ قائداعظم محمد علی جناح کی وفات کے بعد ہمارے سیاستدان جوڑ توڑ کرنے اور ایوان اقتدار سے چمٹنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ ۱۹۵۶ء کے آئین کے تحت ۱۹۵۸ء میں انتخاب ہونے تھے تاکہ عوامی قیادت سامنے آسکے لیکن ایک بار پھر عوام کے خلاف گٹھ جوڑ کر لیا گیا اور ۱۹۵۸ء میں صدر ایوب نے مارشل لاء نافذ کیا۔ ۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۸ء تک ایوب خان مرد آہن بن کر حکومت کرتا رہا۔ آخر ۱۹۶۸ء میں عوام کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ ملک کی تمام سیاسی اور مذہبی پارٹیوں نے ایوب خان کے خلاف اتحاد کر لیا۔ تمام ملک میں عوام حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ملک میں ہڑتالوں اور مظاہروں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ پشاور میں منعقدہ ایک جلسے میں صدر ایوب پر گولی بھی چلائی گئی تاہم وہ اس قاتلانہ حملہ میں بچ گئے ملک میں غیر یقینی صورتحال پیدا ہو گئی۔ ایوب خان تو اس عوامی ریلی کے سامنے نہ ٹھہر سکے اور رخصت ہو گئے لیکن ان کی رخصتی سے ملک اور قوم کو کوئی فائدہ نہ ہوا۔ ایک دانشور اس تبدیلی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ایوب خان کے خلاف متحدہ قومی محاذ (جمہوری مجلس عمل) نے ۱۹۶۹ء میں تحریک چلائی مقصد یہ تھا کہ ایوب خان کا دور ختم ہو جائے اور ملک میں پارلیمانی جمہوری نظام پختہ بنیادوں پر استوار کیا جائے اور منصفانہ

انتخابات بالغ رائے دہی کے اصول پر ہوں۔ مگر نتیجہ کچھ بھی نہ نکلا۔ اور ایک بوڑھے آمر کی بجائے جس کی قوت ارادی نسبتاً کمزور ہو چکی تھی ایک توانا آمر حکومت پر قابض ہو گیا بالکل یہی ڈرامہ ۱۹۷۷ء میں بھی دہرایا گیا۔ نو سیاسی جماعتوں پر مشتمل پی این اے (پاکستان نیشنل الائنس) معرض وجود میں آیا اس کے سامنے یہ مقصد تھا کہ حکمران پیپلز پارٹی کو انتخابات میں شکست دے کر اور عنان حکومت سنبھال کر نظام مصطفیٰ رائج کیا جائے۔ یہاں تک کہ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو اچانک مارشل لاء لگ گیا۔ نہ انتخابات نہ نظام مصطفیٰ" (۱)

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارا جو نظام انتخاب ہے وہ سراسر غیر اسلامی ہے۔ اس میں ایک عالم اور ایک جاہل کا ووٹ برابر ہے اور یہ بات قرآن کریم کی اس آیت کے خلاف ہے۔ هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون (۲)

اسلام کے نظام انتخاب میں ہر کس و ناکس کو ووٹ دینے کا حق حاصل نہیں شاید بشری حقوق کی تنظیمیں اس کو انسانی حقوق کے خلاف سمجھیں گے مگر ان کو جوش کی بجائے ہوش سے کام لینا چاہیے سوچنے کی بات ہے جس ملک میں ووٹ کی قیمت دو ڈھائی سو روپے ہو جس ملک میں ووٹ کی قیمت صرف چاول کی ایک پلیٹ ہو وہیں پر انتخابات کے نتیجے میں کسی خیر کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ ملک کی تقریباً تمام مذہبی جماعتیں اب انتخابی سیاست کی بجائے انقلابی سیاست کی بات کرنے لگی ہیں۔

روزنامہ "آج" ۹ ستمبر ۱۹۹۷ء میں مولانا فضل الرحمان کا یہ بیان موجود ہے کہ ہم انتخابی سیاست میں حصہ نہیں لیں گے بلکہ اسلامی انقلابی طرز سیاست کا راستہ اختیار کریں گے۔ اور اسی اخبار کے پہلے صفحے پر مولانا محمد اکرم اعوان کا یہ بیان بھی ریکارڈ پر ہے کہ موجودہ انتخابی نظام غیر اسلامی اور فراڈ ہے۔ قاضی حسین احمد بھی جودہ طریق انتخاب سے نالاں ہیں۔

ڈاکٹر اسرار تو پہلے ہی سے موجود طرز انتخاب کی شدومد سے مخالفت کرتے ہیں۔

مولانا سمیع الحق بھی موجودہ طریق انتخاب کو غیر اسلامی کہتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ موجودہ طریق انتخاب کے نتیجہ میں جو بھی ٹولہ ملک پر مسلط ہو گا اسکا مقصد لوٹ مار ملک کے خزانے کو لوٹنے اور اقرباء پروری کے سوا کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ آخر انتخابات کے جیتنے کے لئے اس گروہ نے جو لاکھوں روپیہ لگایا ہے اسکا کچھ Return تو ان کو ملنا چاہیے۔ ہماری سیاسی جماعتیں انتخابات جیتنے کے لئے ہست پر فریب نعرے لگاتی ہیں عوام بے چارے ان کو اپنے دکھوں کا مداوا سمجھ کر ان کی دام تزویر میں پھنستے ہیں لیکن جب یہ لوگ ایک دفعہ اقتدار کی کرسی پر براجمان ہوتے ہیں تو ان کا تمام وقت پچھلی حکومت کو برا بھلا کہنے اس کی غلطیاں معلوم کرنے اور اپنی ذات کو ریاست کے لئے ناگریز ثابت کرنے میں صرف ہو جاتا ہے۔ اقتدار

سے پہلے تو وہ پریس کی آزادی کے دعوے کرتے ہیں لیکن اقتدار ملنے کے بعد وہ اپنی ذات کو معصوم عن الخطاء اور تنقید سے بالاتر سمجھتا ہے اگر کوئی اشارتاً بھی ان کی ذات میں کچھ گستاخی کرے تو پھر ان کا یہ جرم اس کے لئے ناقابل معافی بن جاتا ہے۔ عوام کی خدمت کرنے کی بجائے ان کو مختلف ٹیکسوں میں جکڑا جاتا ہے۔ جب بھی حکمران کوئی پالیسی بناتے ہیں تو اس میں اپنے مفاد کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ عوام کی بہتری کا نہیں سوچتے۔ انتخابات سے پہلے تو عوام کو روزگار دینے کے وعدے کرتے ہیں لیکن منتخب ہو جانے کے بعد ڈاؤن سائزنگ اور رائٹ سائزنگ کے نام پر ان کو بے روزگار کیا جاتا ہے۔

یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ مہنگائی کی وجہ سے قوم کے نوجوان بوڑھے اور عورتیں خودکشی کر رہے ہیں جب کہ حکمرانوں کی عیاشی میں کوئی فرق نہیں آیا ہے۔ ہمارے اس مقروض ملک کے حکمران جب خیرات مانگنے بھی امریکہ جاتے ہیں تو لیموزین گاڑیوں سے کم کسی گاڑی میں سفر نہیں کرتے یہ ہمارے ملک کے حکمرانوں کے انداز حکمرانی بھی عجیب ہیں یہ بھی ہمارے ملک کا ایک عجیب دستور ہے کہ چند سو روپیہ بجلی کا بل ادا نہ کرنے والوں سے تو بجلی کا کنکشن کاٹ دیا جاتا ہے لیکن بڑے بڑے بجلی چور وزارت اور مشاورت کی کرسی پر بٹھائے جاتے ہیں اگر کوئی ایماندار اہل کار ایسے بڑے بڑے نادہندگان کے خلاف کاروائی کرتا ہے تو اس کو کھڈے لائن لگایا جاتا ہے اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اگر ان نادہندگان سے حکومت کے بقایاجات وصول کئے جائیں تو ملک کی تمام اقتصادی ضروریات پوری ہو سکتی ہیں لیکن ایسا کیونکر ہو سکتا ہے جب ملک کی اہم شخصیات خود نادہندہ ہوں۔

محتسب جرم مرا دیکھ کے خاموش رہا
خود خطا کار تھا احکام سزا کیا کرتا

ایک سربراہ مملکت کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ ایک عام آدمی کی بنیادی ضروریات آسانی سے پوری ہو جائیں ہر آدمی کو اس کی استعداد کے مطابق روزگار ملے اگر روزگار کے مواقع نہیں ہیں تو ہر بے روزگار کو اتنا گزارہ الاؤنس دیا جائے جس سے اس کا گزارا وقات ہو سکے۔ ایک عام آدمی اگر بیمار ہو جائے تو اس کی صحت کی ضروریات پوری ہو جائیں لیکن ہمارے ملک کے مسیحا اور ڈاکٹر تو تین چار صد روپیہ لئے بغیر ایک مریض کا معائنہ نہیں کرتے یہ تو پرائیویٹ کلینکوں کا حال ہے ہمارے ملک کے ہسپتالوں کا حال کسی سے مخفی نہیں۔ ہسپتالوں میں بے چارہ مریض شدت درد سے کراہ رہا ہے۔ بیماری کی تکلیف سے تڑپ رہا ہے۔ لیکن ڈاکٹر حضرات کو ٹیلیفون کرنے سے فرصت نہیں ملتی۔ اگر کبھی ٹیلیفون کرنے سے فرصت ملتی ہے تو پھر اپنے دوستوں اور سہیلیوں سے گپ شپ لگانے کے زرین مواقع کو وہ کیوں ضائع کرے ؟ اگر کوئی مرتا ہے تو مر جائے ایک دن تو اسے مرنا ہی ہے وہ کیوں خوشی کے ان قیمتی لمحات کو کسی کے لئے ضائع کرے ؟

ہسپتالوں میں دوائیاں Expire ہو جاتی ہیں لیکن ان ڈاکٹروں کو یہ توفیق نہیں ہوتی کہ وہ ان دوائیوں کو کسی مستحق کو دے دیں۔ ڈاکٹر حضرات بھی ٹھیک کہتے ہیں اگر مریضوں کو مفت دوائیاں مل جائیں تو ہسپتالوں کے باہر یہ بڑے بڑے میڈیکل سٹور والے کیا کریں گے ؟ آخر بات کمیشن کی ہے۔

ہمارے ملک کے تعلیمی اداروں کا حال بھی کسی سے مخفی نہیں۔ سکولوں اور کالجوں میں اکثر سٹاف غیر حاضر ہوتا ہے لیکن ان سے پوچھنے والا کوئی نہیں کیونکہ یہ اپنے حلقہ کے ایم این اے اور ایم پی اے کے بیٹے کو ٹیوشن پڑھاتا ہے۔ امتحانوں میں ان کو مختلف طریقوں سے پاس کروا کر ان کو میڈیکل کالج اور انجنیئرنگ کالج میں داخلہ دلواتا ہے اگر کسی استاد کا متعلقہ افسر کبھی اس سے باز پرس کرتے ہیں تو اس کا تبادلہ دور دراز کے علاقوں میں کروا کر اس کی زبان کو ہمیشہ کیلئے بند کر دیا جاتا ہے اسکے بعد وہ بے چارہ کبھی بھی ایسے VIP لوگوں کو نہیں چھیڑتا۔

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملا

کار طفلان تمام خواہد شد

کسی قوم کی ترقی میں تعلیم کو ایک بنیادی حیثیت حاصل ہے تعلیم کے بغیر کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی۔ لیکن یہاں پر کتنے ہی ایسے بچے ہیں جو غربت کی وجہ سے تعلیم حاصل نہیں کر سکتے۔ یہ ایک سربراہ مملکت کی ذمہ دارای ہے کہ وہ قوم کے بچوں کو تعلیم دلوانے کے تمام مواقع میسر کرے تعلیم ایک مخصوص طبقے کے لئے نہ ہو بلکہ ایک جھونپڑے میں رہنے والے کا بچہ بھی زیور تعلیم سے آراستہ ہو سکے۔

ایک سربراہ مملکت کی ذمہ داریوں کا تعین نبی کریم ﷺ نے ان الفاظ میں کی ہے :

عن عبدالله بن عمرؓ ان رسول الله ﷺ قال الا کلکم راع و کلکم مسول عن رعیته فالا میر الذی علی الناس راع وهو مسول عنهم والرجل راع علی اهل بیته وهو مسول عنهم والمراة داعیة علی بیت بعلها وولده وهی مسولة عنهم والعبد راع علی مال سیده وهو مسول عنه وکلکم راع وکلکم مسول عن رعیة (۳)

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ہر آدمی کا جتنا دائرہ اختیار ہے اسی حد تک اس کی ذمہ داریاں بھی ہیں اور کوئی بھی ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ یہاں تک کہ ایک عورت سے بھی اس کے گھر اور اولاد کے متعلق پوچھا جائے گا غرض یہ کہ اختیارات جتنے زیادہ ہونگے ذمہ داریاں اتنی ہی زیادہ ہوں گی۔

خلافت کی ذمہ داریوں کا احساس تھا کہ حضرت عمر فاروقؓ فرماتے تھے کہ اگر دریائے فرات کے کنارے بکری کا ایک بچہ بھی ضائع ہو جائے تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے اس کا باز پرس کرے گا۔ (۴)

حضرت عمرؓ نے یہ کلمات صرف رسمی طور پر نہیں کہے تھے بلکہ ان کلمات پر انہوں نے پورا عمل

کر کے ثابت بھی کیا اپنے عہد خلافت میں انہوں نے یہ نظام بنایا تھا کہ وہ مساکین کو ایک مقام پر جمع کر کے ان کو کھانے کھلاتے تھے۔ اسی نظام کے تحت انہوں نے ایک دفعہ مساکین کو کھانا کھلانے کے لئے جمع کیا اسی دوران انہوں نے ایک آدمی کو دیکھا جو بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا۔ عمر فاروقؓ نے اس شخص سے کہا اے بندۂ خدا! دائیں ہاتھ سے کھانا کھاؤ۔ اس شخص نے جواب دیا جناب میرا دایاں ہاتھ مشغول ہے کچھ وقت کے بعد عمر فاروقؓ دوبارہ اس شخص کے پاس سے گزرے وہ شخص حسب معمول بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا۔ عمر فاروقؓ نے دوبارہ اس شخص سے کہا کہ اے بندۂ خدا! دائیں ہاتھ سے کھانا کھاؤ۔ اس شخص نے دوبارہ وہی جواب دیا۔ جناب میرا دایاں ہاتھ مشغول ہے۔ عمر فاروقؓ نے اس شخص سے وضاحت چاہی کہ تمہارا ہاتھ کس کام میں مشغول ہے۔ اس شخص نے جواب دیا کہ غزوہ موتہ میں میرا دایاں ہاتھ بے کار ہو گیا ہے۔ حضرت عمرؓ یہ سن کر کانپ اٹھے اور انہوں نے آبدیدہ ہو کر اس شخص سے کہا تمہیں وضو کون کراتا ہو گا؟ تمہارا سر کون دھوتا ہو گا؟ تمہارے کپڑے کون دھوتا ہو گا؟ اسکے بعد انہوں نے اس آدمی کے لئے ایک خادم مقرر کیا ایک سواری مقرر کی اور اس کی دیگر ضروریات کا انتظام فرمایا۔ (۵)

اس حقیقت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ ہمارے بر سر اقتدار طبقہ کو عوام کے مفاد سے کوئی غرض نہیں بلکہ ہمارے سیاسی جماعتوں کے سربراہوں کی بس یہی ایک خواہش ہے کہ وہ کس طرح اقتدار کی کرسی پر براجمان ہو جائیں اس کے ساتھ ساتھ ہمارے عوام میں بھی سیاسی شعور کا فقدان ہے وہ بار بار ان لیڈروں کے ہاتھوں دھوکہ کھاتے ہیں لیکن انتخابات کے موقع پر وہی لیڈر دوبارہ چہرے بدل کر سادہ لوح عوام کو دھوکہ دیتے ہیں اور اقتدار کی کرسی پر براجمان ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہ اقتدار کے بھوکے لیڈر مختلف نعروں اور منشوروں سے عوام کو دھوکہ دیتے ہیں۔

امیر شہر غریبوں کو لوٹ لیتا ہے کبھی بحیلہ مذہب کبھی بنام وطن

ایک روایت میں حاکم اور بادشاہ کو خدا کے سائے سے تعبیر کیا گیا ہے اس لئے ایسے ممالک اور قصبوں میں لوگوں کو جانے سے منع کیا گیا ہے جہاں کا کوئی بادشاہ اور حاکم نہ ہو۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں۔

جب تم ایک ایسے شہر پر گزرتے ہو جہاں کا کوئی حاکم نہ ہو پس تم ایسے شہر میں داخل مت ہو جانا کیونکہ بادشاہ تو زمین پر خدا کا سایہ ہے۔ (۶)

ظل اللہ ہونے کے ناطے ایک حاکم کی بے شمار ذمہ داریاں ہیں ان ذمہ داریوں کی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوذر غفاریؓ سے فرمایا تھا۔

یا أبا ذر انك ضعيف و إنها أمانة وإنها يوم القيامة خزى و ندامة الا من اخذ ها

بحقها و ادی الذی علیه فیها (۷)

ایک حاکم کی سب سے بڑی ذمہ داریاں تو وہ ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے: الذین ان مکنهم فی الارض اقاموا الصلوة واتو الذکوة وامروا بالمعروف ونهوا عن المنکر (۸)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ مومن ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین میں خلافت عطا کریں تو یہ لوگ نماز قائم کرینگے۔ زکوۃ دیں گے اچھے کاموں کا حکم دیں گے اور برے کاموں سے منع کریں گے۔

ایک اسلامی ریاست کے سربراہ کی اہم ذمہ داریاں درج ذیل ہیں۔

(۱) امت کے سلف صالحین نے دین کا جو تصور پیش کیا ہے۔ اس کی حفاظت کرے۔

(۲) جھگڑا کرنے والوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ کرے تاکہ ظالم کو مظلم کرنے کا موقع نہ ملے اور مظلوم کی حق تلفی نہ ہو۔

(۳) اپنے وطن میں امن قائم کرے تاکہ لوگ تلاش معاش کے سلسلے میں اطمینان سے ایک مقام سے دوسرے مقام کو سفر کرے۔

(۴) ملک میں حدود و تعزیرات کا نظام قائم کرے۔

(۵) اپنے ملک کی سرحدوں کی حفاظت کرے تاکہ بیرونی دشمن کو جارحیت کا موقع نہ ملے۔

(۶) کفار محاربین کے خلاف جہاد کا انتظام کرے۔

(۷) ملک کے مالیاتی اداروں کو دیانتدار لوگوں کے سپرد کیا جائے۔

(۸) بیت المال سے غریب لوگوں کے حقوق بغیر کمی بیشی کے ادا کئے جائیں۔

(۹) رعیت سے شرعی احکامات کے مطابق صدقات اور ٹیکسوں کی وصول کا انتظام کیا جائے۔

(۱۰) ریاستی امور سے ہر وقت اپنے آپ کو باخبر رکھا جائے۔ (۹)

حقیقت یہ ہے کہ ایک قوم کے لئے سربراہ کی وہی حیثیت ہوتی ہے جو ایک ریوڑ کے لئے چرواہے کی ہوتی ہے جس طرح ایک چرواہا اپنے ریوڑ کی ہر ضرورت کا ذمہ دار ہوتا ہے اس طرح ایک حاکم اپنی رعیت کی ہر ضرورت کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ ایک حاکم کی حکومت کا سب سے بڑا مقصد اپنی رعایا کی ضروریات کا احساس کرنا اور ان کو پورا کرنا ہے حکومت کرنے کا مقصد یہ نہیں کہ قومی خزانے کو شیر مادر سمجھ کر بغیر ڈکار کے ہضم کر لیا جائے۔ حکومت کرنے کا مقصد یہ بھی نہیں کہ ملک کی کلیدی آسامیوں پر اپنے لاڈلوں، چہیتوں اور جیالوں کو بھرتی کیا جائے تمام سرکاری عہدے قومی امانت ہیں اور ان پر اہل لوگوں کو مقرر کرنا ایک حکومت کی ذمہ داری ہے۔

موجودہ دور میں تو برسر اقتدار حکومت سرکاری میڈیا کے ذریعے یہ ڈھنڈورا پیٹتی ہے کہ تمام سرکاری

عہدوں پر بھرتی میرٹ کے مطابق ہوگی مگر ہر برسر اقتدار حکومت بھرتی کے لئے وہی پالیسیاں بناتی ہے جو ان کے متعلقین اور پارٹی ورکروں کیلئے سود مند ہوں۔ اگر بعض بدقسمت حضرات ان پیمانوں پر بھی پورا نہ اتریں تو O.S.D کی آسانی کے لئے تو کسی تعلیمی قابلیت کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کیلئے تو برسر اقتدار طبقہ کی مراحم خسروانہ کی ضرورت ہوتی ہے جو پہلے ہی سے ایسے لوگوں کیلئے مخصوص ہوتی ہیں۔ کسی ملک کا سربراہ تو اس ملک کا محافظ ہوتا ہے جب ملک کا سربراہ خود خائن اور چور ہو تو وہ دیگر لوگوں کو کرپشن اور چوری سے منع نہیں کر سکتا۔ فارسی کا ایک شعر ہے۔

اگر زباغ رعیت ملک خورد سیبے
برآورند غلامان درخت از بیخے

اسی وجہ سے تو عبداللہ ابن المبارک فرماتے ہیں۔

لوگوں کے پانچ درجات ہیں ان میں اول زاہد ہیں اور وہ اس امت کے بادشاہ ہیں

دوسرا درجہ عالموں کا ہے وہ انبیاء کے وارث ہیں۔

تیسرے نمبر پر حاکم ہیں ان کی حیثیت نگہبانوں کی طرح ہے۔

چوتھے درجے میں تاجر ہیں وہ زمین میں اللہ کے امین ہیں۔

پانچویں نمبر پر غازی ہیں وہ زمین میں اللہ کی تلوار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جب زاہد دنیا میں رغبت کرنے لگے تو لوگ کس کی اقتداء کریں گے ؟ جب ایک عالم لالچی ہو جائے تو لوگ کس کی اقتداء کریں گے ؟ جب چرواہا اور نگہبان ظالم ہو جائے تو لوگ کس کے ہاں پناہ ڈھونڈیں گے ؟ جب تاجر خائن ہو جائے تو لوگ کس کو امین سمجھیں گے ؟ اور جب غازی ریاکار ہو جائے تو فتح کی امید کس طرح کی جاسکتی ہے۔ (۱۰)

عبداللہ ابن مبارک کے یہ الفاظ قابل غور ہیں :

واذا کان الراعی جائر فالی من یلتجی الناس ۔

ساغر صدیقی نے بجا کہا ہے کہ

رہبروں کے ضمیر مجرم ہیں ہر محافظ یہاں لٹیرا ہے
معبدوں کے چراغ گل کر دو قلب انسان میں اندھیرا ہے

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہمارا ملک پاکستان قدرتی وسائل سے معمور اور معدنیات سے مالا مال ہے۔ یہاں کی زمین نہایت زرخیز ہے' یہاں پہ محنت کرنے والی افرادی قوت بافراط موجود ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہم ایک معمولی سا منصوبہ بھی اس وقت تک پایہ تکمیل تک نہیں پہنچا سکتے جب تک ورلڈ بینک اور آئی ایم

الف سے قرضہ نہیں ملتا یہ بھی ہمارا ملک کا ایک عجیب دستور ہے کہ جب بھی ہمارا کوئی نیا حکمران اقتدار سنبھالتا ہے تو وہ اس ملک کے عوام کو نئے نئے دلفریب نعروں کے ساتھ دھوکہ کرنے کی کوشش کرتا ہے ان نعروں میں سے ایک نعرہ یہ ہوتا ہے کہ ہم کسی سے بھیک نہیں مانگیں گے لیکن ابھی ان نعروں کی سیاہی بھی خشک نہیں ہوئی کہ ہمارا برسر اقتدار طبقہ لنگر لنگوٹ کس کر اپنے یورپی آقاؤں کے دربار میں حاضر ہوتا ہے اور وہاں سے ان کو جو ہدایات ملتی ہیں وہ امنا و صدقنا کہہ کر ان کی تمام ہدایات کو من و عن قبول کر لیتے ہیں ان کے مغربی آقا حکومت چلانے کے لئے ان کو جو پلان دیتے ہیں ہمارے یہ بلند بانگ دعوے کرنے والے حکمران اس سے سر مو انحراف نہیں کر سکتے۔ ع سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

خلفائے راشدین بیت المال کو خدا اور مخلوق کی امانت سمجھتے تھے جب حضرت ابو بکرؓ خلیفہ ہوئے تو اس کے دوسرے دن کندھے پر کپڑے کے تھان رکھ کر بیچنے کے لئے نکلے۔ راستے میں حضرت عمرؓ ملے انہوں نے پوچھا یہ آپ کیا کرتے ہیں؟ جواب دیا اپنے بال بچوں کو کہاں سے کھلاؤں؟ حضرت عمرؓ نے کہا اب آپ کے سر پر مسلمانوں کی خدمت کی ذمہ داری آن پڑی ہے اس کے ساتھ آپ دوسری ذمہ داری نباہ نہیں سکتے۔ چلئے ابو عبیدہ ناظم بیت المال سے بات کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہؓ سے گفتگو کی گئی اور ان کے لئے چار ہزار درہم سالانہ کے حساب سے وظیفہ مقرر کیا گیا۔ جب حضرت ابو بکرؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے وصیت کی کہ میرے ترکے میں سے آٹھ ہزار درہم بیت المال کو واپس کر دیئے جائیں۔ جب ان کی وفات کے بعد یہی مال حضرت عمرؓ کے سامنے لایا گیا تو انہوں نے کہا خدا ابو بکرؓ پر رحم فرمائے انہوں نے اپنے بعد آنے والوں کو مشکلات میں ڈال دیا۔ (۱۱)

ایک اسلامی ریاست کے سربراہ کی کیا ذمہ داریاں ہیں؟ ان ذمہ داریوں کا تعین اس مکتوب سے ہوتا ہے جو عمر بن عبدالعزیز نے عبدالحمید بن عبدالرحمان گورنر عراق کو لکھا کہ بیت المال سے لوگوں کے عطیات ادا کر دی جائیں۔ عبدالحمید نے عمر بن عبدالعزیز کو لکھا کہ میں نے لوگوں کو ان کے عطیات دیئے لیکن اس کے باوجود بیت المال میں کچھ باقی ہے اس کے بعد عمر بن عبدالعزیز نے ان کو لکھا کہ جو لوگ مدیون ہیں انکا قرضہ بیت المال سے ادا کر دیا جائے۔

عبدالحمید بن عبدالرحمان نے عمر بن العزیز کو لکھا کہ میں نے قرض دار لوگوں کا قرض ادا کر دیا لیکن اس کے بعد بھی بیت المال میں کچھ رقم باقی ہے اسکے بعد عمر بن عبدالعزیز نے ان کو لکھا کہ جو نوجوان غیر شادی شدہ ہیں ان کی شادی کروا کے ان کا مہر بیت المال سے ادا کر دیا جائے۔ اس کے بعد بھی کچھ رقم بچی تو عمر بن عبدالعزیز نے ان کو لکھا کہ جو لوگ جزیہ ادا کرنے سے قاصر ہوں ان کو بیت المال سے قرضے دیئے جائیں۔ تاکہ وہ اپنی

ضروریات کو پورا کر سکیں۔ (۱۲)

بعض اوقات ایک اسلامی ریاست میں مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم بھی رہتے ہیں جن کو معاہد یا ذمی کہا جاتا ہے۔ آج کل کے دور میں ان کو اقلیتوں کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اسلام نے جس طرح ایک حاکم پر مسلم رعایا کے حقوق کا تعین کیا ہے وہاں پر اسلام غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق سے بھی غافل نہیں رہا۔ غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کے بارے میں حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں :

الا من ظلم معاهدا او انتقصه او كلفه فوق طاقته او اخذ منه شيأ بغير طيب نفس نأ نا حجيبه يو م القيامة (۱۳) اسی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص کسی معاہد پر ظلم کرے گا یا اس کے حقوق میں کمی کرے گا۔ یا اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ اس پر ڈالے گا۔ یا اس سے کوئی چیز اس کی مرضی کے خلاف وصول کرے گا۔ حضورؐ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن میں اس کے ساتھ جھگڑا کروں گا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام غیر مسلموں سے خراج اور جزیہ وصول کرنے کا حکم دیتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسلام یہ ہدایت ضرور دیتا ہے کہ جزیہ اور خراج کی وصولی میں ان پر سختی نہ کی جائے اور ان پر اتنا بوجھ نہ ڈالا جائے جو ان کی قوت برداشت سے باہر ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ ہشام بن حکیم نے حمص کے گورنر کو دیکھا کہ جزیہ ادا نہ کرنے کے جرم میں اس نے بعض لوگوں کو گرمی کے موسم میں دھوپ میں کھڑا کیا تھا۔ ہشام بن حکیم نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ ان لوگوں کو سزا دیتا ہے جو دنیا میں لوگوں کو سزا دیتے ہیں۔ (۱۴)

حقیقت یہی ہے کہ ہمارے ملک کا سب سے بڑا مسئلہ سیاسی عدم استحکام ہے جب بھی کسی حکومت کے دو ڈھائی سال پورے ہوتے ہیں تو شکست خوردہ عناصر میدان میں کود پڑتے ہیں مختلف قسم کی سیاسی اتحادیں بنتے ہیں جن کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ برسر اقتدار حکومت کو ہٹا کر خود حکومت پر قابض ہو جائیں ان حالات میں اگر کوئی برسر اقتدار حکومت عوام کی کچھ خدمت بھی کرنا چاہتی ہے تو اس کو اس کا موقع نہیں دیا جاتا اور اسکی ساری توانائیاں اپنی حکومت کو بچانے میں صرف ہو جاتی ہیں ایسے حالات کے متعلق ایک شاعر کہتا ہے :

متى يبلغ البنيان يوما تمامه إذا كنت تبنيه و غيرك يهدم ·

یعنی وہ عمارت کس طرح تعمیر ہو جائے گی جب تم اس کو تعمیر کرتے ہو لیکن ایک دوسرا شخص اس کو بگاڑنے پر تلا ہوا ہے۔

﴿ مصادر و مراجع ﴾

۱۔ پاکستان کی سیاسی جماعتیں، پروفیسر محمد عثمان، سنگ میل پبلیکشنز لاہور، ص ۲۰

۲۔ الزمر ، ۹

۳۔ سنن ابی دائود۔ لابی دائود سلیمان بن الاشعث السبحستانی کتاب الخراج والامارة والضئی باب مایلزم الامام من حق الرعیة۔

۴۔ کنز العمال للعلامہ هندی ج ٥ کتاب الخلافة مع الا مارة فی الترهیب الامارة حدیث نمبر ١٤٢٩٤

۵۔ ازاله الخفاء عن خلافة الخلفاء شاه ولی الله دہلوی قدیمی کتب خانه آرام باغ کراچی ج ۔چہارم ص ۔ ٤١

۶۔ السنن الکبریٰ للبیقهی دارالمعرفة بیروت لبنان ج ٨ کتاب قتال اهل البغی باب فضل الامام العادل۔

۷۔ الجامع الصحیح للمسلم کتاب الامارة باب کراهة الا مارة بغیر ضرورة

۸۔ الحج۔۴۱

۹۔ نظام الحکم فی الشریعة والتاریخ الاسلامی ظافر القاسمی دارالنفائس بیروت لبنان ١٩٩٠ء ص ٣٥٢

۱۰۔ شعب الایمان للبیهقی ج دوم باب نمبر ١٨ فی نشر العلم والا لمنیعه اهله فصل فی انه ینبغی ان یکون تعلم طالب العلم و تعلیم العالم لوجه الله تعالیٰ

۱۱۔ کنز العمال، للعلامہ ہندی، موسستہ الرسالۃ، ج ۵ کتاب الخلافة مع الامارة خلافت ابی بکر الصدیقؓ حدیث نمبر ۱۴۰۶۲۔

۱۲۔ کتاب الاسوال لابی عبید مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ، ص ۲۵۱

۱۳۔ سنن ابی دائود کتاب الخراج والا مارة والفی باب فی تعشیر اہل الذمة اذا اختلفوا بالتجارات۔

۱۴۔ سنن ابی دائود کتاب الخراج والا مارة والفی باب فی التشدید فی جبایة الجزیة۔